جناب صلاح الدین صاحب، مدیر ہفت روزہ "تکبیر" کراچی

شریعت بل اور پیپلز پارٹی

سینٹ سے متفقہ طور پر شریعت بل کیا منظور ہوا۔ محسوس یوں ہوا کہ گویا پیپلز پارٹی کے ایوانِ اقتدار میں بھونچال آگیا۔ پارٹی پر آفتوں کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ جس روز سینٹ سے بل متفقہ طور پر منظور ہوا۔ اس روز ٹیلی ویژن سے سینٹ کی کارروائی کی روداد کے بعد پیپلز پارٹی کے وزیر امور مذہبی اسکرین پر نمودار ہوئے اور انہوں نے کھل کر کہا کہ ہم شریعت بل سے اتفاق نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ دستور کے خلاف ہے۔ انہوں نے سینٹ میں یہ بھی کہا کہ کسی شریعت بل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

پیپلز پارٹی کے اس ردِ عمل سے قطع نظر پورے ملک میں شریعت بل کی منظوری کا خیر مقدم کیا گیا۔ خود سینٹ کے ڈپٹی چیئرمین جناب فضل آغا نے کہا کہ شریعت بل کی منظوری سے پوری دنیا میں پاکستان کا امیج بلند ہوگا۔ اب کسی شخص کے لیے یہ گنجائش نہیں ہوگی کہ وہ اسلامی قانون کو بدل دے (روزنامہ جنگ کراچی ۱۴ مئی ۱۹۹۰ء)

صدر غلام اسحاق خاں نے کہا کہ شریعت بل کے فیوض و برکات سے پوری قوم فیض یاب ہوگی۔ منگل کی شب سینیٹر مولانا سمیع الحق کے عشائیے میں اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے صدر نے انکشاف کیا کہ شریعت بل کے حق میں پونے دو لاکھ آراء آئی تھیں۔ میں نے سینٹ کے چیئرمین کی حیثیت سے ان کے تجزیے کرائے تھے جس میں ۱۵۰۰ لوگوں کی مستند آراء بھی شامل تھیں۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۱۵ مئی ۱۹۹۰ء)

۱۷ مئی کو پارلیمانی امور کے وفاقی وزیر داخلہ چودھری اعتزاز احسن اور وفاقی وزیر پارلیمانی امور خواجہ طارق رحیم نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا۔ جسے پاکستان ٹیلی وژن نے بڑے دھواں دھار انداز میں نشر کیا۔ مشترکہ بیان میں سینٹ کی طرف سے منظور کئے جانے والے شریعت بل کو پاکستان کے عوام کے مینڈیٹ کی پروانہ کرتے ہوئے یک طرفہ کارروائی اور آئین کی خلاف ورزی قرار دیا گیا۔

کوئی ان وزراء سے پوچھے کہ کب اور کس نے عوام سے یہ مینڈیٹ لیا تھا کہ پارلیمنٹ میں کوئی شریعت بل منظور نہیں کیا جائے گا۔ پیپلز پارٹی نے دسمبر ۱۹۸۸ء میں انتخاب لڑا۔ جب کہ یہ بل ۱۹۸۵ء میں سینٹ میں پیش ہو چکا تھا۔ پیپلز پارٹی نے اپنی انتخابی مہم کے کسی جلسے میں یا کسی اور سیاسی جماعت نے اپنے کسی جلسے میں عوام سے یہ مینڈیٹ حاصل کیا تھا کہ وہ پارلیمنٹ میں جائیں گے، تو پارلیمنٹ میں مجی طور پر پیش ہونے والے شریعت بل کو منظور

نہیں ہونے دیں گے۔ اگر یہ بات امر واقعہ کے خلاف ہے تو پھر سینٹ میں شریعت بل کی منظوری عوام کی مینڈیٹ کی پروا نہ کرتے ہوئے یک طرفہ کارروائی کیسے ہوئی؟ کیا پیپلز پارٹی کے وزراء کی پسند عوام کا مینڈیٹ کہی جائے گی؟ اور اس کی ناپسندیدگی عوام کے مینڈیٹ کی مخالفت؟ یہ اوندھے فلسفے پیپلز پارٹی کے مفلس الخیال وزیروں ہی کو زیب دیتے ہیں۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ حکومت کی طرف سے پیش کی جانے والی ترامیم کو زیر غور نہیں لایا گیا۔ اس لئے یہ بل یک طرفہ ہے اور اتفاق رائے سے محروم ہے۔ یہ سراسر مغالطہ انگیزی ہے۔ سینٹ نے وزیر قانون کی پیش کی جانے والی ترامیم کو زیر غور لانے سے انکار نہیں کیا۔ لیکن متعلقہ وزیر اتنے اہم بل کے دوران سینٹ کے اجلاس میں شرکت کو اہمیت نہ دیں اور بیرونی دوروں کے مزے لوٹنے کو ترجیح دیں۔ اور اس طرح قانون سازی کو مؤخر کرنے کی کوشش کریں۔ تو اس رویئے کو سینٹ پر اس الزام کی شکل کیوں کر دی جا سکتی ہے۔ کہ حکومت کی طرف سے پیش کی جانے والی ترامیم کو زیر غور ہی نہیں لایا گیا۔ پیپلز پارٹی کی بے نظیر حکومت کی دنیا بھر میں یہ شہرت ہے کہ اس کی کارکردگی قانون سازی کے معاملے میں صفر ہے۔ پارلیمنٹ میں اس نے قانون سازی کے سلسلے میں کچھ کیا ہی نہیں۔ اب عجیب بات ہے کہ نہ تو یہ حکومت خود قانون سازی کرتی ہے اور نہ کسی قانونی مسودوں کو منظور ہونے دینا چاہتی ہے۔ ان کی منظوری کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہے اور تاخیری حربے استعمال کرتی ہے۔ بل کی خواندگی کے دوران کچھ ترامیم کا محرک ہونے کے باوجود وزیر قانون کا بیرونی دورے پر چلے جانا ایک تاخیری حربہ تھا۔ جسے سینٹ نے رد کر دیا تو سینٹ کی یہ کارروائی یک طرفہ کیسے ہو گئی؟ ویسے بھی وزیر قانون سینیٹر نہیں ہیں۔ وہ سینٹ میں ہونے والی بحث میں تو شریک ہو سکتے ہیں، لیکن ووٹ کا حق نہیں رکھتے۔ چنانچہ ان کی موجودگی میں بھی ان کی ترامیم کو نامنظور کر کے اگر سینٹ بل اس طرح منظور کرتی کہ سینٹ کا کوئی رکن اس کی مخالفت نہ کرتا تو بل کی منظوری تب بھی متفقہ ہی کہی جاتی۔ محض وزیر قانون کی غیر حاضری سے سینٹ کی کارروائی یک طرفہ نہیں ہوئی۔ یہ سراسر مغالطہ انگیزی ہے اس بل کی خواندگی کے دوران اگر وفاقی وزیر مملکت برائے سائنس و ٹیکنالوجی سینیٹر جاوید جبار بھی موجود ہوتے اور اس کی مخالفت میں ووٹ دیتے تو یہ بل متفقہ نہیں کہا جا سکتا، مگر پیپلز پارٹی تو اس بل کی مخالفت میں ووٹ ڈلوانے کے لئے اپنے واحد سینیٹر کو بھی سینٹ میں نہ لا سکی۔ چنانچہ جب بل کی منظوری کے وقت کوئی ووٹ اس کے خلاف گیا ہی نہیں، تو بل اتفاق رائے سے محروم اور یک طرفہ کیسے ہو گیا؟ یہ کھلی ڈھٹائی والی بات ہے۔

ان لال بجھکڑ وزراء نے ایک اور فتنہ انگیز دلیل یہ دی ہے کہ بل پیش کرنے والے سینیٹر مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف چونکہ مسلمانوں کے ایک مکتبۂ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس لئے یہ بل لوگوں کے لئے ناقابل قبول ہو گا۔ دوسروں کو فرقہ بندی اور فرقہ پرستی کا طعنہ دینے والوں کے بیان میں فرقہ وارانہ امتیاز کا یہ حوالہ بجائے

خود ان کی فرقہ وارانہ ذہنیت کا عکاس ہے ۔ سوال یہ ہے کہ جب سینٹ نے یہ بل متفقہ طور پر پانچ سال کے غور و فکر کے بعد منظور کر لیا، تو یہ بل دو سینٹروں کا کہاں رہا ۔ یہ تو پوری سینٹ کا بل ہے ۔ اس کے سلسلے میں محرک سینیٹروں کے مکتبہ فکر کا حوالہ دھاندلی اور فتنہ انگیزی کے سوا کچھ نہیں ۔ پورا سینٹ تو محض کسی ایک مکتبہ فکر کے ارکان پر مبنی نہیں ۔ بل پر غور و فکر میں سینٹ میں موجود دوسرے تمام مکاتب فکر کے ارکان بھی موجود اور اتفاق رائے میں شریک رہے ہیں ۔ اس بل کی تحریک اگر مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف نے پیش کی تھی، تو اس میں قبول کی جانے والی ترامیم میر ہزار خان بجارانی، پروفیسر خورشید احمد ۔ جناب بہرہ ور سعید اور جناب محمد علی نے پیش کیں ۔ اور بل کی منظوری کے بعد اس کی سر عام تحسین و تائید سینیٹر اور ڈپٹی چیئرمین فضل آغا نے کی ۔ کیا یہ سب بھی مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف ہی کے ہم مسلک اور ہم فرقہ لوگ ہیں ؟

ان ماہرین آئین کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ پارلیمنٹ عوام کے اقتدار اعلیٰ اور نمائندگی کی مظہر ہے اور یہ بل پارلیمنٹ کے اقتدار اعلیٰ اور یوں عوام کے اقتدار اعلیٰ پر ضرب کاری ہے ۔ یہ استدلال آئین ناشناسی اور جہل کا کھلا اعلان ہے ۔ پاکستان کا دستور قرارداد مقاصد کے جزو آئین ہونے کے بعد پارلیمنٹ یا عوام کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم ہی نہیں کرتا ۔ یہ امریکی سیکولر تصور ہے جس کی پاکستانی آئین میں کوئی گنجائش نہیں — پاکستان کے دستور میں اقتدار اعلیٰ نہ پارلیمنٹ کا اور نہ عوام کا تسلیم کیا گیا بلکہ اقتدار اعلیٰ صرف اور صرف اللہ کا تسلیم کیا گیا ہے ۔ اور اللہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہوئے تمام قانون سازی کے بنیادی مآخذ قرآن و سنت ٹھہرائے گئے ہیں ۔ قرآن و سنت ہی شریعت ہیں ۔ اس لئے شریعت بل کا مقصد ہی قرارداد مقاصد کے مطابق پاکستان میں شریعت کی بالادستی قائم کرنا بتایا گیا ہے ۔ پھر بھلا یہ بل آئین پاکستان کی خلاف ورزی کیسے ہوگیا ۔ تھوڑی دیر کے لئے اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ بل دستور کے خلاف ہے ۔ تو یہ وزراء تو آج تک یہ درس دیتے آئے ہیں کہ دستور کی تعبیر کا حق نہ پارلیمنٹ کو ہے اور نہ حکومت یا حزب اختلاف کو، بلکہ دستور کی تعبیر کا حق تو صرف عدالت کو ہے ۔ اب یہ وزراء اپنا دیا ہوا سبق بھول کر یہ دہائی کیوں دے رہے ہیں کہ پارلیمنٹ کو بھی یہ حق ہونا چاہئے ۔ کہ وہ اس بات کا فیصلہ کر سکے کہ آیا کوئی قانون شریعت کے اصول یا ضابطے کے منافی ہے ۔ پارلیمنٹ خود کو اس اختیار سے محروم نہیں رکھ سکتی ۔ پارلیمنٹ کو جب آئین کی تعبیر کا حق ہی نہیں تو کسی اختیار سے اس کی محرومی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے ۔ پیپلز پارٹی ایسی پارلیمنٹ کو شریعت پر نظر ثانی کا حق دلوانا چاہتی ہے جس میں اس نے پراچہ صاحب جیسے وزیر منتخب کر کے بھجوائے ہیں ۔ جن کی دیانت و امانت کو عدالت عالیہ نے ناقابل قبول قرار دے دیا ہے ۞

بشکریہ ہفت روزہ "تکبیر" ۳۱ مئی ۱۹۹۰ء